ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

مجید امجد کی شاعری میں جدید تکنیک کے تجربات
Experiments of technique in Majeed Amjad's Poetry

زوباریہ اسرار
لیکچرار، فوجی فاونڈیشن کالج (برائے خواتین) لالہ زار، راولپنڈی
ڈاکٹر فرید حسینی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال
عظمت شہزاد
لیکچرار، شعبۂ اُردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال

Abstract:
Modern poem is a western form of poetry which broke the stereotype myth of traditional poetry. In sub continent, during British Rule, Modern poem was given importance and encouraged contrary to old and popular form i.e Ghazal.The plate-form of anjuman-e-Punjab used in this context, Maulana Altaf Hussain Hali and Muhammad Hussain Azad put their effects to promote it. In 20th century Allama Iqbal adopted new form of poetry and made it populour in Urdu language.Keeping in view the popularity, poets those who were reluctant to accept it, decided to create art in this from i-e Nazm After Iqbal in mid of 20th Centuary Noon – Meem Rashid and Meera Jee added valuable poetic work in this regard, specially, Rashid showed artistics expertise in free verse at Large- Mujeed Amjad is another literary figure who experimented to mingle up free verse & blank verse and become third big name in modern Poem. In this article, efforts have been made to take critical view of Majeed Amjad's Poetry in context of western technique he used in from and structure of poem.
Key Words: *Majeed, walt witman, Modern Poetry, blankk verse. Popularity, 20th Centuary*

جدید شاعری پس منظر:

بیسویں صدی کو نظم جدید کے حوالے سے اہم اگر دانا جاتا ہے۔ مغربی ادب میں Blank verse اور free verse (نظم معری اور آزاد نظم) گو کہ روبہ ارتقاء پہلے سے تھیں مگر دو عالمی جنگوں کے تناظر میں تحقیق کردہ فن پارے ان اصناف کو بام عروج پرے جانے کا باعث بنے خصوصاً waste land اس بابت سنگِ میل قرار دی جاسکتی ہے جو ٹی ایس ایلٹ کا شاہکار ہے۔ اس سے قبل ہنری ہو ورڈ (Henry Howard) نے 1540 میں اس صنف کا آغاز کیا تھا، پھر ولیم شیکسپیئر نے تجربات کر کے کام کو مہمیز دی۔ جان ملٹن کی مشہور زمانہ طویل نظم paradise lost کو نظم معری کا عمدہ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں جمیز تھامسن اور ولیم کوپر نے اس بابت خوبصورت اضافے کئے۔ رمانوی تحریک کے شعراء کیٹس، شیلے اور ورڈزورتھ نے اس صنف سخن کو خوب برتا اور اسے نہ صرف انگریزی میں صنعت قبولیت عطا کروانے میں کامران ٹھہرے بلکہ یورپ میں دوسری زبانوں میں بھی رائج ہو گئی اور پھر جب اسی دور میں کالوں قیام پذیر ہونے لگیں تو مشرق میں بھی یہ صنف مقامی زبانوں میں متواتر بھی استعمال ہونے لگی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

والٹ وٹمین (Walt Witman)وہ آدمی ہے جس نے آزاد نظم کی بنیاد رکھی، یہ انیسوں صدی کی اختراع ہے۔ ایذرا پاونڈ نے بیسوں صدی میں آزاد نظم کی بئیت کوٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے بعد سب سے زیادہ پروموٹ کیا۔ اردو ادب میں انجمن پنجاب کے پلیٹ فارم سے مولانا محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین نے کرنل ہالرائینڈ کے مشورے سے ماڈرن شاعری کا جو ڈول ڈالا، اسے علامہ محمد اقبال نے بہت جلد لائق اعتبار کر دیا۔ اقبال نے فارسی مثنوی اور یورپی طویل نظموں کے تتبع میں اردو زبان کو ثروت مندی عطا کی۔

جدید شاعری اردو میں:

شاعر مشرق کی رحلت کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ن۔م۔راشد اور میراجی نے آزاد نظم میں مغربی تکینک کو برتا اور کامیاب تخلیقات سے اردو ادب کے دامن کو مالا لال کیا۔ ان دونوں فنکاروں نے براہِ راست انگریزی زبان وادب سے استفادہ کیا۔ میراجی تو فرانسیسی زبان سے بھی واقف تھے چنانچہ ان کے فن اور فکر میں فرنچ اثرات نمایاں ہیں۔ تصدق حسین خالد کو جدید نظم کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے جس نے مغربی(Parameters) کو سامنے رکھتے ہوئے شعری تجربات کئے مگر اردو زبان میں بیسوں صدی کے درمیان میں جن دو اصحاب نے کارہائے نمایاں سر انجام دیے وہ یہی مزکورہ بالا ہیں۔ کیونکہ ان کے موضوعات سے قطع نظر ان کا ڈکشن وہ پیمانہ ہے جس سے ان کی انفرادیت قائم ہوئی اور اردو زبان وادب پر گہرے نقوش قائم کئے۔ بیسویں صدی کی اولین تین دہائیوں میں اور بھی کئی شعرآئے جن میں لسانی تشکیات والے بھی تھے اور علامتی طرزِ اظہار والے بھی مگر راشد اور میراجی کے قریب بھی نہ پھٹکے، وہ فقط تاریخ میں اپنا نام درج کروانے میں ضرور کامیاب ہوئے مگر آنے والے زمانوں میں ان کی شعری کائنات Relevant اس طرح نہ رہ سکی جیسے بڑے فنکاروں کا فن ہوتا ہے۔ راشد اور میراجی کے بعد بڑا نام مجید امجد کا ہے جو اپنی زندگی گوشہ گمنامی میں گزار کے چلا گیا مگر ورثے میں جدید نظم کا گرانقدر اثاثہ آنے والے ادوار کے لیے چھوڑ گیا۔

ان کی اولین شعری کاوش "شبِ رفتہ" ان کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری کتاب تھی جو 1958 میں چھپی۔ "شبِ رفتہ کے بعد" 1976 میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی مگر مجید امجدؔ کی کلیات خواجہ محمد زکریا صاحب نے مرتب کر کے چھپوائی جس کی اشاعت کے بعد ادبی حلقوں میں اور طالب وعلمون کے لیے مجید کے جوہر کھل کر سامنے آئے۔ کلیات کو مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

"ا۔ شبِ رفتہ(۱۹۳۵ء تا۱۹۵۸ء)

ب۔ روزِ رفتہ(۱۹۳۲ء تا۱۹۵۸ء)

ج۔ امروز(۱۹۵۸ء تا۱۹۶۸ء)

د۔ فردا(۱۹۶۸ء تا۱۹۷۴ء)"(۱)

چار دہائیوں پر مشتمل شعری ریاضت میں زندگی کا نچوڑ ہمیں ان کے کلام میں نظر آتا ہے جس میں مختلف رنگ ابھرے نظر آتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خصوصاً مابعد نو آبادتی مطالعات میں مجید امجد کی شاعری کے چیدہ چیدہ موضوعات کی فہرست تیار کی جائے تو وہ کچھ یوں بنے گی۔

I. فطرت کے عناصر
II. سماجی پہلو
III. انسان کا انفرادی تشخص
IV. وطن کی مٹی(دھرتی ماں)
V. رثائی پہلو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

VI. سائنسی نقطہ ہائے نظر

VII. موت (اندھیرا)

VIII. آشوب زمانہ

ان کی مزید تقسیم کی جائے تو بیسویوں ذیلی عنوانات بن جائیں گے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ بظاہر عام اور حقیر چیزوں کو موضوع سخن بناتے ہیں اور انھیں بڑا اور بیش قیمت بنا دیتے ہیں مثلاً نظم "بھکارن" کو ہی دیکھیے:

"تیز قدموں کی آہٹوں سے بھری / رہگذر کے دورویہ سبزہ وکشت / چار سو ہنستی رنگوں کی بہشت / صد خیابان گل کہ جن کی طرف / دیکھتا ہی نہیں کوئی اہی / سرخ پھولوں سے اک لدی ٹہنی / آن کر بجھ گئی ہے راستے پر / کنکروں پر جبیں رگڑتی ہے / راہگیروں کے پاؤں پڑتی ہے میں کہاں روز آتی ہوں / ہے مِرے کوچ کی گھڑی نزدیک / جانے والو، بس اک نگاہ کی بھیک" [بھکارن۔ روزِ رفتہ]

یہ مختصر سی نظم جمالیاتی ذوق اور ژرف نگاہی کی عکاس ہے۔ یہاں پھولوں سے لدی ٹہنی کو Personification (تجسیم) عطا کر کے قاری کی قوت متخیلہ کو مہمیز دی گئی ہے۔ اقبال نے جو دعوی کیا تھا کہ اگر فطرت شناس دل ہو تو سکوتِ لالہ و گل، متکلم ہو سکتے ہیں، مجید امجد نے اپنی تخلیقی قوت کے بلبوتے پر ایسا ممکن کر دکھایا ہے۔ انسان جو نیچر سے دور ہو چکا اور صنعتی دور نے جس کے احساس مروت کو کچل دیا ہے اس کو یہ دعوت نظارہ میکانکی زندگی سے ذرا سا ہٹانے کی کاوش ہے۔ اس پہلو کی طرف اشارے کرتے ہوئے تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> "مسئلہ یہ بنا کہ آشوب زیست کے سفر میں لوگ ہر شے کی جانب رعنبت ہو گئے جبط۔ امجد ایک ایسا شاعر ہے جو ساری صورتحال میں بے رخی کے عمل کو رد کرتا ہے اور وہ اس وسیع مصروفیت کے سامنے رخ کرتا ہے۔ یہیں سے امجد کے ہاں نئی مصروفیت کے تجربات پیدا ہوتے ہیں۔" (۲)

مجید امجد نے جدید نظم کی تکنیک میں ہیئت پر خصوصی توجہ دی ہے مصرعوں کی بناوٹ اور ان کی placement کے سلسلے میں وہ حد درجہ احتیاط برتتے ہیں اور اپنی لفظوں کی Treatment انھیں انفرادیت بخشتی ہے۔ مجید امجد کے فن کے اولین مداحین اور نقادوں میں ایک نام محمد حیات خان سیال کا بھی ہے وہ ایک جگہ رقمطراز ہیں:

> "ان کا یہ خیال تھا کہ نظم میں دو ٹکڑوں میں جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کو الفاظ کی ایسی ترتیب سے پر کیا جائے کہ وہ مسلسل خیال کی ترجمانی کر سکے" (۳)

کاشتکار کے ابدی دکھوں کا بیان لیے ہوئے ہے مندرجہ ذیل نظم کا ٹکڑا اس دعوی کی بہترین دلیل قرار دی جا سکتی ہے۔

؎ "بہتی راوی تیرے تٹ پر کھیت اور پھول اور پھل
تین ہزار برس بوڑھی تہذیبوں کے چھل بل

؎ دو بیلوں کی جیوٹ جوڑی اک ہالی اک ہل
سنیئہ سنگ میں لینے والے خدائوں کا فرمان

؎ مٹی کاٹے، مٹی چاٹے پل کی انی کامان
آگ میں چلتا پنجر، ہالی کا ہے کو انسان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

؎ کوئی مٹائے اس کے ماتھے سے یہ دکھوں کی ریکھ
ہل کو کھینچنے والے جنوروں جیسے اس کے لیکھ

ہڑپے کی تہذیب سے لیکر تا حال ہالی کی قسمت نہیں بدلی یہ عمومی مضمون ہے جو اپنے اندر ترقی پسندیت رکھتا ہے۔ مگر حقیقتاً اس نظم میں غور طلب نکتہ الفاظ کا دروبست ہے۔ تیسری اور آخری لائنوں کو ملا کر پڑھیں تو دو بیل تین بیلوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہالی خود بیلوں کی جوڑی جیسی قسمت کا مالک ہے۔

ایک تمنا ہے جو کھردری حقیقت میں خلا جیسی ہے کہ کوئی مٹائے اس کے ماتھے سے یہ دکھوں کی ریکھ، یہی سطر وہ جڑت ہے جو ہالی کے مسلسل عمل کی طرح اچھے دنوں کی آمد کی آس دلاتی ہے۔ ان کے ہاں لسانی تشکیل کے ساتھ شاعرانہ حسن بھی برابر اپنا ثبات کرتا ہے۔ عابد علی عابد نے اپنی کتاب اسلوب میں اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"محض الفاظ اپنی نشست اور ترنم کے اعتبار سے ہم میں حسن کا شعور نہیں پیدا کر سکتے، ان کا حسی ہونا بھی ضروری ہے۔" (۴)

معنویت سے بھرپور نظمیں جو پہلی قرات میں قاری کے یے حظ کا باعث ہیں ذرا سے تفکر پر ان میں تحیر ابھرتا ہے اور بھر نچلی تہوں میں گہرے معنی کے در وا کرتی ہیں۔ ان کا تجربہ، مشاہدہ اور مطالعہ مل کر فن پارہ تشکیل کرتے ہیں جس میں تعقل اور تخیل باہم آمیز ہو کر Multi Layers بناتی ہیں اور یہی تہہ داری کسی بھی فنکار اور اس کے فن کو زمان و مکان سے ماورا کر دیتی ہے۔

فطرت کی پوری تصویر دیہاتوں میں واضع انداز میں نظر آتی ہے۔ مجید امجد کی زندگی اس ماحول میں بسر ہوئی جو زرعی تھا۔ جہاں نہریں، راجباہ کھالے، ہٹ، کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ ہریالی کا سامان کرتے ہیں اور یہ پانی گویا زمین کے لیے آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے کہ ہزاروں برس بیت جانے کے بعد بھی مٹی کی زرخیزی میں کمی نہیں آتی۔ فطرت اور انسان کے رشتے میں اصولاً تو خوشحالی اور سرسبزی کے رنگ ڈھنگ نمایاں ہوتے ہیں اور ہونے بھی چاہیں مگر مجید امجد بین السطور انسانوں کی کسمپرسی اور بے بسی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ ہاری، مزدور، کسان، کاشتکار، مٹی میں مٹی ہو کر بھی اپنی قسمت بدلنے پر قادر نہیں اور ان کی محنت کا پھل کوئی اور لے جاتا ہے جو عدل کی بجائے ظلم کے کا نظام پر دلالت کرتا ہے۔

؎ یہ مرا قصۂ غم کون سنے، کس کو سنائوں؟ کس کو؟
اپنے احساس کا وہ ملتا ہوا زہر پلائوں کس کو
پیتے پیتے میری اک عمر کٹی ہے اک عمر
دیکھتے ہو وہ جو اک جادہ نورانی ہے
وہ جو اک موڑ ہے اور وہ تھرو کا ہے سر بام بلند
وہ خموشی سفر شب کے تسلسل کی نقیب

مجید امجد نے ن م راشد اور میر اجی سے الگ اپنا اسلوب تراشا اور نظم جدید کو نئے ذائقوں سے آشنا کروایا۔ اس باہت انور سدید لکھتے ہیں:

"اردو نظم انگریزی (Stanza) کی ہئت کو قافیہ اور ردلیف کی پابندی کے ساتھ مجید امجد نے اپنے دور کے بہت سے شعراء سے زیادہ تخلیقی انداز میں استعمال کیا۔ آزاد نظم کی مقبولیت کے دور س انہوں نے پابند نظم کو آزاد نظم کی سہولت سے استعمال کیا۔"(۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

پابند اور آزاد نظموں کی ہیت میں لفظی کفایت شعاری کا انہوں نے بہت التزام کیا اور اس میں ایمائیت پیدا کی۔ ایمائیت کے لیے ابہام لانا پڑتا ہے چنانچہ علامتی نظام سے مجید نے بہت کچھ استفادہ کیا۔ مثلاً کنواں یا رہٹ فقط اپنے اکہرے معنوں میں استعمال نہیں ہوئے اور نہ آٹو گراف بک کو صرف دستخطوں کی کتاب سمجھنا درست ہے۔ مجید نے الفاظ کے چناو میں شعوری کاوش کی ہے اسی لیے اپنا الگ ڈکشن بنانے میں کامیاب ٹھہرے۔ علامتی طرز اظہار میں ضروری نہیں اشیا میں سے بڑی علامتیں ہی برتی جائیں بلکہ ہر لفظ بذات خود ایک علامت ہوتا ہے۔ ابن فرید کا مندرجہ ذیل بیان مجید شاعری پر بہت موزوں معلوم ہوتا ہے:

"کسی بھی شاعر یا ادیب کی تمام تر پرتوں کا اگر لسانیاتی شمار (Statically) مطالعہ کیا جائے تو ایک دلچسپ حقیقت سامنے آئے گی کہ ہر محدودیت صرف ایک تحریر تک نہیں ہوتی بلکہ اس کی تمام تحریروں میں ایک مخصوص سرمایہ الفاظ استعمال ہوتا گویا ہر ادیب یا شاعر ارسال و ابلاغ کے رنگ برنگے چمن میں سے چند پھولوں کو چن لیتا ہے ان کی ترتیب کو ادل بدل کر نئے نئے گلدستے سجاتا ہے"(6)

ان کا ایک وصف تفکر اور تحیر کی قوتوں کو بروئے کار لانا بھی ہے۔ قاری قرات کے دوران اچانک کسی لفظ پر چونک جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ وہ متن میں موجود مواد کو دوسری مرتبہ شعوری طور دیکھتا ہے اور یوں سلسلہ چل نکلتا ہے۔ شاعر اس طرح کی صورتحال اکثر جگہاوں پر پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ زیرِ نظر چند سطور کو ہی لیجئے:

"جھومتے محمل / طے نہ ہوا وہ رائنہ حیرت / گرچہ قلم کی نوک سے ٹپکے / کتنے ترانے کتنے فسانے / لاکھ مسائل / دل میں رہی سب
دل کی حکایت / بیس برس کی کاوش پیہم / یہی سوچتے دن اور جاگتی راتیں / ان کا حاصل / ایک یہی اظہار کی صورت۔"(۷)

ایسے الفاظ جو مانوس ہوتے ہوئے بھی متن کی حد تک نامانوسیت رکھتے ہیں معنی کے کئی خزانے چھپائے ہوتے ہیں۔ امجد کی مندرجہ بالا نظم میں آخری لائن ہے۔ "یہی اظہار کی صورت"۔ فنکار کے لیے اس کے سوا اور کیا ممکن ہے کہ وہ بات کو معاشرے کے سامنے پیش کر دے۔ اب جتنا کوئی معاشرہ یا قوم مہذب اور باشعور ہو گا اتنا جلد وہ لفظوں کی معنویت کو پالے گا۔ یونگ نے ایک جگہ لکھا ہے:

"انسان بولے یا لکھے گئے لفظ کو معنی کے اظہار کے لیے ابلاغ کے طور پر استعمال کرتا ہے اس کی زبان علامتوں سے بھری ہوتی ہے
لیکن کبھی کبھار وہ نشانات یا تصورات کو جو حتمی طور پر بیانیہ نہیں ہوتے استعمال کرتا ہے۔"(۸)

مجید امجد کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ محسوسات کے شاعر ہیں۔ وہ انسان اور فطرت کے باہم تعلق کو جابجا محسوس کرواتے ہیں۔ انسان کو کائنات کا مرکزی نکتہ جان کر وہ اسے اس کا مقام یاد کرواتے ہیں۔ انسان کے باطن سے مخاطب ہو کر اس کی اندرونی کیفیات تک رسائی کے متمنی ہیں۔ جدید نظم کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ وہ چیزوں کے خارجی رخ پر بات کر کے وجودیت پر سوال اٹھاتی ہے جبکہ مجید امجد کی شاعری اس صنفِ شاعری کی تیکنیکوں کو کام میں لاتے ہوئے آدمی کے ضمیر سے یا اس کی روح سے ہمکلام ہونے کا ثبوت دیتی ہے کیونکہ جہاں انسان محروم، مظلوم، مقہور، مجبور دکھائی دیتا ہے وہاں اس کا سبب بھی کوئی دوسرا انسان ہی ہے۔ وہ وہاں تک دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے جہاں تمام سطحی ذہن اور ظاہر کی آنکھ نہیں پہنچ سکتی۔

مجید امجد بلاشبہ اپنے سماج کے دکھوں اور مسائل کا گواہ ہے بلکہ وہ خود ان کے تمام بلیآت سے گزر کر اسے تجربہ بناتا ہے تبھی تو وہ اتنے انوکھے اور کامیاب فن پارے تخلیق کرنے پر قادر ہوا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

حوالہ جات

۱۔ محمد زکریا، ترتیب، تدوین و تحقیق۔ کلیات مجید امجد، فرید بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۴

۲۔ عام سہیل، ڈاکٹر مجید امجد شناس بحوالہ مجلہ اوراق، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ص ۹۳

۳۔ سیال، محمد حیات خان، گلاب کے پھول، لاہور، میری لائبریری ۱۹۷۸ء، ص ۲۰

۴۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۵

۵۔ عامر سہیل، مجید امجد شناسی، ص ۲۴۳

۶۔ اشتیاق احمد (مرتب)، بلاغت، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء، ص ۸۳

۷۔ مجید امجد، شب رفتہ، لاہور، نیا ادار طبع اول، ۱۹۵۸ء، ص ۱۲

۸۔ کارل گسٹائو یونگ، ترجمہ، ڈاکٹر انور زاہدی، لاشعور تک رسائی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء ص ۱۱